فرمایا - نہیں کوئی جلدی نہیں ہے- وہی تو وہ درست ہیں جن کے ہاں ٹھیرا ہوا ہوں - اس زمانے میں چندریگر صاحب پنجاب کے گورنر تھے اور وہ قاضی صاحب کے پرانے دوستوں میں سے تھے-

زندگی کے آخری دو تین سال قاضی صاحب نے سندھ یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے گزارے - وہیں ۶ اگست ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا- ایک تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ دن میری سالگرہ کا دن تھا - نعش حیدرآباد سے اسی شام کو کراچی لائی گئی - میوہ شاہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی- خدا جانے قاضی صاحب کے اس روز رخصت ہونے میں کیا مصلحت تھی ، لیکن اس عجیب اتفاق کے بعد میری ہر سالگرہ پر ان کی یاد ناگزیر ہو گئی ہے- اور یہ رشتۂ مودت جسے وہ اس قدر مستحکم کر گئے ہیں ، حینِ حیات تک تو ٹوٹ نہیں سکتا، ممکن ہے کہ آگے چل کر بھی نہ ٹوٹے-

کراچی

۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء

ممتاز حسن

(" مقالات اختر " شائع کردہ ترقی اردو بورڈ ، کراچی ، ۱۹۷۲ء پر ممتاز حسن مرحوم کے مقدمے سے ماخوذ)

سید حسام الدین راشدی

ذکرِ اختر

پاکستان بنے ابھی ایک آدھ سال ہی گذرا ہو گا کہ کئی ایک نامی شاعر، مشاہیر اہل قلم اور نام آور ادیب ہندوستان تیاگ کر یہاں پہنچ گئے۔ مولانا عبدالحق اپنے رفقاء کیفی صاحب اور سید ہاشمی کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی تشریف لے آئے۔ اور ان کا بھی تعلق انجمن سے ہو گیا تھا۔ صبح و شام کی اکثر و بیشتر مجلسیں مولوی صاحب کے ہاں ہوا کرتی تھیں لیکن رات کی محفل گئی رات تک قاضی صاحب مرحوم کے ہاں لازمی ہو گئی تھی۔ بلا ناغہ روزانہ آنے والوں میں چار ایسے دوست تھے جنھیں اس زمانے میں اخوان الصفا کہا جاتا تھا۔ ایک یہ نیازمند، قاضی صاحب، حفیظ ہوشیارپوری اور ممتاز حسن صاحب، اس اخوان الصفا کے چار رکن تھے۔

نووارد ادیب، عالم اور شاعر مولوی صاحب کے ہوتے ہوئے یہاں کا پھیرا بھی ضرور کیا کرتے تھے۔ ابھی ہر ایک بڑی امیدوں اور ایک بے پناہ جذبے میں تھا۔ اسلامی ملک کا نام دیا گیا تھا اور شیرو شکر بننے اور بنانے کی آس بندھی ہوئی تھی۔

ہادی مچھلی شہری کا نام غزل گو شعراء میں بہت مشہور تھا۔ نیرنگ خیال، عالمگیر اور پھر ساقی نے چھاپ چھاپ کر ان کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگا دیئے تھے۔ ایام جوانی میں، جب رسائل میں بڑے انہماک اور شوق سے پڑھتا تھا، اس وقت سے ان کے نام سے نہ فقط آشنا تھا بلکہ ایک قسم سے مرعوب بھی تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ صاحب یہاں بھی کبھی پہنچ جائیں گے۔ بوڑھے ہو چکے تھے، بہت نازک اندام اور ایسے منحنی کہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھاتے تھے۔ شیروانی کوٹ کھڑا پاجامہ، داڑھی منڈی ہوئی اور چہرے پر جھریاں، ایک شاگرد ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ یہاں جب پہنچے تو سنا کہ ریلوے میں کہیں ملازمت ہے۔

ایک روز شام گئے یہ حضرت بھی ایک شاگرد کے سہارے سیڑھیاں طے کرکے قاضی صاحب کے ہاں تشریف لے آئے۔ بہت دیر بعد صحبت ختم ہوئی اور ہم سب جب سیڑھیوں سے اترنے لگے تو ہادی صاحب اپنے شاگرد کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اس کے سہارے ہم سے پہلے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ میں پیچھے تھا اور وہ آگے آ[illegible]ھیاں اترتے ہوئے انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ آج تک میں نہیں بھولا۔

شاگرد نے ان سے کہا کہ حضرت! سبحان اللہ قاضی صاحب بھی کیا آدمی ہیں!

اس پر ہادی صاحب نے فرمایا: میاں کیا پوچھتے ہو سارا ہندوستان ویران ہوا ہے، تب جاکر یہ کراچی آباد ہوا ہے۔ ایسے نامی اہل علم اور ایسے چیدہ لوگوں کا اجتماع یوں کہیں ہوا کرتا

ہے؟

وہ کہنے کو ایک بات چلتے راہ فرما گئے لیکن ان کا فرمانا آج تک برابر میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے جن اہل علم اور ادیبوں کا ہم نام سنا کرتے تھے اور جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں وہ تقریباً سب کے سب ، کوئی پہلے کوئی بعد میں ، آکر جمع ہو گئے تھے ۔ اس لحاظ سے واقعی ہندوستان اجڑا اور یقیناً کراچی آباد ہو گیا تھا ۔ کون تھا جو یہاں آکر آباد نہیں ہوا؟ یا کون تھا ایسا ادیب جو اگر آکر آباد نہیں ہوا تو بھی دس بیس مرتبہ یہاں کا پھیرا نہ کر چکا ہو۔

(قومی زبان کراچی بابت دسمبر۱۹۸۲ء ، شمارۂ خصوصی بیاد پیر حسام الدین راشدی میں راشدی مرحوم کے مضمون " پنبہ کجا کجا نہم " سے ماخوذ)